

Downloaded From Paksociety.com



ناولٹ

ایک فراموشی لغزش ہے سرخسین اظہر

”روچہ اب آرہی ہو..... یہ ٹائم ہے آنے کا۔“ راحیلہ بیگم نے بیٹی کی شکل دیکھتے ہی دہی آواز میں برہمی ظاہر کر دی۔
”امی، ارسل کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آنے سے پہلے بہت رو رہا تھا۔“ وہ جو عبایا اتار کر اسکارف کی پن کھول رہی تھی۔ ایک لمحے کور کی۔
”کیوں اب اسے کیا ہوا؟“ انہیں مزید کوفت نے گھیرا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
ماہنامہ پاکیزہ 205 دسمبر 2016ء

”ہونا کیا ہے، وہی معمولی نزلہ زکام..... مگر بچے چڑچڑے ہوئی جاتے ہیں۔“ اس نے بات کرتے ہوئے امی کے پیچھے نظر آتے چہرے کو دیکھا اور مسکرائی۔

”اچھا اب جلدی سے چلو..... ماموں سے ملو..... کب سے سب لوگ تمہارا پوچھ رہے ہیں۔“ راحیلہ بیگم کے بھائی کے نئے گھر کی خوشی میں تقریباً تھی۔ تقریباً تمام خاندان ہی جمع تھا۔ دونوں ماموں، چچا، تایا کی فیملیز..... وہ بھی ریں ریں کرتے ارسل کو گود میں اٹھائے خوش دلی سے سب سے ملتی رہی۔ ارسل سے بڑی لہجہ اس کی قمیص کا دامن پکڑے خاموش ساتھ ساتھ تھی۔

”امی، زونا کہاں ہے نظر نہیں آ رہی؟“ سب سے ملنے کے بعد ایک طرف سکون سے بیٹھ کر اسے اپنی بہن کا خیال آیا۔

”اوپر ہے، کچھ دیر پہلے گئی تھی مارہ کے ساتھ۔“ ”اوپر؟ سب لوگ تو یہاں ہیں، وہ اوپر کیا کرنے گئی ہے۔“

”گھر دکھانے لے گئی تھی مارہ، مگھم پھر رہی ہوگی۔“ راحیلہ بے پروائی سے بول کر اس کا جائزہ لینے لگیں۔ انہیں مستقل رویہ کی گود میں چڑھے ارسل سے بھی چڑھ رہی تھی۔ رویہ جو ماموں کے گھر کی تعریف کرنے والی تھی۔ ان کے اس طرح دیکھنے سے ایک دم جربزی ہو گئی۔ اسے اپنی ماں کی ان تنقیدی نگاہوں سے ہمیشہ خوف سا آتا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ ہمیشہ کی طرح اسے کسی بات پر ٹوکتیں اس نے وہاں سے اٹھنا چاہا۔

”میں زونا اور مارہ سے مل کر آتی ہوں۔“

”اوہو..... دو گھڑی ماں کے پاس بھی بیٹھ جاؤ۔“ وہ واپس بیٹھ گئی جانتی تھی کہ امی اس کی محبت میں مجبور ہو کر نہیں بلکہ اپنے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے بٹھا رہی ہیں۔

”یہ بتاؤ لے کے کیا آئی ہو؟“ سب لوگ خوش گہیوں میں مگن تھے۔ اس نے محفل پر ایک طائرانہ نگاہ

ماہنامہ پبلیشر 206 دسمبر 2016ء

ڈال کر سانس بھری۔

”ٹی سیٹ ہے ایک..... اور.....“ وہ جھجک سی گئی۔ ”.....“ ”امی کے لیے ایک رسٹ وایج ہے۔“ ”اور.....“ ”امی اب بھی مختصر تھیں۔“

”اور کیا..... کچھ اور بھی لینا تھا کیا؟“ اس نے ڈرتے، ڈرتے راحیلہ بیگم پر نظر ڈالی۔

”لو بھول گئیں، میں نے کہا تھا ناں کہ گولڈ کا لاکٹ یا بریسلٹ لے لینا۔ وہی کیا ناں، یہ فضول چیزیں اٹھا کر لے آئیں، جس کی کوئی اوقات نہیں۔ کیا ٹھہریں گے ماموں کی نظر میں یہ ٹی سیٹ اور وہ معمولی گھڑی..... ہونہ۔“

”اوقات تو ان سے پوچھیں ناں..... جن کے پاس یہ بھی نہیں۔“ وہ آواز دبا کر بددائی۔

”جن کو ان معمولی چیزوں سے فرق نہیں پڑتا انہیں بھلا گولڈ کے بوند برابر لاکٹ سے کیا فرق پڑ جاتا ہے۔“ وہ صرف سوچ رہی تھی۔ یہ بات امی سے بولنے کا رسک لے لیتی ابھی وہ اتنی عقل سے پیدل نہیں ہوئی تھی۔

راحیلہ بیگم کے چہرے پر اب بھی غصے کے آثار نظر آ رہے تھے۔ کل اس کے کہ وہ ایک بار پھر اس پر چڑھائی کرتیں۔ صدف مامی ان کے نزدیک آ گئیں۔

”آئیں راحیلہ آپا، کھانا لگ گیا ہے۔ آؤ رویہ تم بھی۔“ وہ فوراً سے بیستر اٹھ کھڑی ہوئی کیونکہ ماں کی نظروں کا سامنا کرنا مشکل ہوا جا رہا تھا۔

”یہ سامنے جو بیڈ روم ہے، میں بچوں کو لے کر وہاں جا رہی ہوں، اکیلے میں ذرا ایزی ہو کر کھلا دوں گی۔“ وہ جلدی، جلدی بول کر امی کے جواب سے پہلے آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

کھانے کا دور ختم ہوا۔ زیادہ تر لوگ واپسی کے لیے پرتولتے صدف مامی سے اجازت طلب کر رہے تھے۔ اس نے گود میں لیٹے ارسل کو تھپکتے ہوئے کمرے کے کھلے دروازے سے راحیلہ بیگم کو دیکھا جو صدف مامی سے ہنس،

WWW.PAKSOCIETY.COM

اک ذرا سی لغزش سے

ہی صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ لوگ وہاں باتیں کرنے نہیں بیٹھے تھے۔

زونیرہ کی نظر رویحہ پر پڑنے کی دیر تھی کہ وہ اسپرنگ کی طرح بیڈ سے اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

”روی تم..... تم یہاں کیا کر رہی ہو؟“ زونا کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

وہ کچھ دیر ملاستی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ شہریار جو اٹھ کر بے پروائی سے اپنے سیل سے کھیل رہا تھا رویحہ اس پر ایک نگاہ غلط ڈالے بغیر سیڑھیاں اتر گئی۔ اس نے جاننے کی کوشش نہیں کی کہ زونیرہ اس کے پیچھے آرہی ہے یا نہیں۔

☆☆☆

رویحہ اور زونیرہ، احتشام صدیقی کی دو ہی بیٹیاں تھیں۔ ان سے بڑا ایک بیٹا راہیل تھا۔ راہیلہ بیگم نے اپنے تینوں بچوں کی تربیت اس انداز میں کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ ہر لحاظ سے اپر کلاس کا پرتو نظر آئیں۔ فیشن اسٹیل، ماڈرن اور ساتھ ہی ساتھ ویل انجو کیڈز اور ویل میگز ڈ بھی۔

اپنے بیٹے راہیل اور زونیرہ تک تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہی تھیں۔ راہیل ان کی خواہش کے عین مطابق لندن سے ڈگری لے کر لوٹ آیا تھا اور وہ بھی کسی گوری میم کے اضافے کے بغیر..... اور زونیرہ بھی ان ہی کی خواہش پر ماسٹرز کے بعد فیشن ڈیزائننگ سیکھ رہی تھی۔

ان کے یہ دونوں بچے، فیشن، امارت اور ماڈرن ازم کا منہ بولتا ثبوت تھے۔ راہیلہ بیگم کی فیملی کا شمار بہت اچھے کھاتے، پیتے گھرانوں میں ہوتا تھا۔ راہیل اپنے والد احتشام صدیقی کے ساتھ مل کر کاروبار کو دن رات چوگنی ترتی دے رہا تھا۔

زونیرہ ہر فیشن کو اپنانے اور نئے طریقوں کے پہناوے ایجاد کرنے میں سب سے آگے تھی۔ سب سے پہلے ہر عجیب و غریب ڈیزائن کا اطلاق خود کرتی پھر اسے اپنے بوتیک کی زینت بنا دیتی۔ جسے ماہنامہ پاکیزہ 207 دسمبر 2016ء

پس کر باتیں کر رہی تھیں۔ اسے حیرت سی ہوئی۔

راہیلہ اپنی نندوں اور بھانجیوں سے وہی روایتی چپقلش رکھتی تھیں۔ جو سرالی رشتوں میں نہ چاہتے ہوئے بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ کم از کم اس کا اپنا یہی خیال تھا۔ کیونکہ وہ اپنے سرالی رشتوں میں جان بوجھ کر دراڑیں نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔

جیسی وہ خود صاف شفاف ذہن و دل کی مالک تھی۔ ویسے ہی اپنی ماں اور بہن کو بھی سمجھتی تھی۔ یہی اس کی سادگی بھی تھی اور یہی اس کی غلطی بھی۔ نہ تو اس کی امی راہیلہ بیگم اتنی صاف نیت اور ستمنا مزاج رکھتی تھیں، نہ بہن.....

”زونیرہ نظر ہی نہیں آئی۔“ اسے اپنی بہن کا خیال آیا۔ اسے دعوت میں آئے ڈیڑھ گھنٹہ ہو چکا تھا۔ دعوت بھی قریب الختم تھی اور زونیرہ کا کہیں پتا نہیں تھا۔ ”کمال ہے، اتنی بے خبری اور لاتعلقی۔“ اسے امی کی بے خبری پر غصہ آیا۔ گو میں سوتے ہوئے ارسل کو بیڈ پر لٹا کر جی کو اس کا خیال رکھنے کو کہا اور خود زونیرہ کی تلاش میں نکلی..... راہیلہ بیگم کو اس نے خود نہیں بتایا تھا۔ ورنہ وہ پھر اسے پکڑ لیتیں، یوں بھی اس نے ابھی تک ماموں کا گھر ہی نہیں دیکھا تھا۔ جس کی خوشی میں یہ دعوت ہوئی تھی۔ وہ گھر کی سجاوٹ اور بناوٹ دیکھتی اوپر چلی آئی۔

اوپر والے حصے میں سامنے والے کمرے کا دروازہ غالباً بند تھا۔ باقی پورشن میں زونیرہ اور مائرہ کہیں نہیں تھیں۔ اسے یوں بلا اجازت کسی کے بیڈ روم میں گھسنے میں جھجک سی محسوس ہوئی۔ جیسی اندر سے زونا کی دلی، دلی ہنسی کی آواز آئی۔ زونا یقیناً اندر تھی، وہ نزدیک گئی تو دروازے کو ایک جھری کھلا پایا۔

اس نے زونیرہ کی آواز سن کر دروازے کو دھکیلا تو وہ پورا کھلتا چلا گیا۔ نیت تو اس کی بہن سے مل کر خوش ہونے کی ہی تھی مگر وہ خوش ہونے کے بجائے شاکدہ رہ گئی۔ کمرے میں زونا کے ساتھ مائرہ نہیں شہریار تھا اور وہ لوگ جس انداز میں بیٹھے تھے انہیں ایک نظر دیکھ کر

وقت گزاری کے لیے محض راحیلہ بیگم کی خواہش پر مگر ہی کے ایک پورشن میں احتشام صاحب نے ہوا کر دیا تھا۔ مگر رویجہ..... یہاں آکر راحیلہ بیگم کے تمام خواب، آرزوؤں اور ارمان اپنی موت آپ کئی سال پہلے ہی مر چکے تھے۔ جب اس کی دو سال لگا تار نوں اور دسویں کلاس میں پہلی آگئی۔

”امی مجھے آرٹس لینی ہے، مجھ سے نہیں رٹے جاتے یہ کیمسٹری اور فزکس کے مشکل فارمولے۔“ لاؤنج میں اخبار کو گھورتی غم والہ کی تصویر بنی راحیلہ بیگم کے لیے یہ بات کتنی شرمندگی کا باعث بن سکتی تھی۔ اس حقیقت سے بے خبر اس نے ٹھنک کر فرمائش کر دی۔

”کیا..... کیا کہا تم نے..... آرٹس پڑھو گی تم؟“ ان کا دل ایک نئے صدمے سے دوچار ہو گیا۔ ”جسمیں پتا ہے کہ آرٹس کون لوگ پڑھتے ہیں، جن کو کچھ پڑھنا لکھنا نہیں آتا، جو مارے باندھے مجبوری میں تعلیم مکمل کرنا چاہتے ہیں، وہ پڑھتے ہیں آرٹس۔“

”کیا ہو گیا ہے امی آپ کو۔ اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔“ وہ بے حد اکتائی ہوئی تھی۔

”ایسی ہی بات ہے۔“ وہ غصے میں چلا گئیں۔

”آنے دو اپنے پاپا اور اس ٹیوٹر کو..... جسے ہر مہینے ہزاروں روپے تمہاری ٹیوشنز کے لیے دے رہی ہوں، آخر کس حساب میں بھی۔ یہاں تو وہی رزلٹ ہے، ایک پرسنٹ بھی زیادہ مارکس نہیں لیے تم نے اور کیمسٹری کلیئر ہے تو میتھس..... اومائی گاڈ۔“ انہیں اپنا بلند پریشر بڑھتا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ ایک بار پھر صوفے پر گر سی گئیں۔

”امی.....“ اس نے بیچاریگی سے دہائی دی۔

انہوں نے دانت کچکچا کر اسے دیکھا۔ انہیں یوں گنواروں کی طرح ”امی“ بلائے جانے سے بھی چڑھی۔ وہ چاہتی تھیں رویجہ انہیں زونا اور راحیل کی طرح ممایا ماما کہہ کر بلائے مگر آگے بھی رویجہ تھی۔ جسے وہ خود تو اپنی مرضی سے روی کہہ لیتی تھیں مگر اس نے آج

تک خود کوئی مصنوعی تکلف نہیں کیا تھا۔

”میں تو خود چاہتی ہوں کہ آپ پاپا سے بات کریں۔ مجھے سائنس نہیں پڑھنی۔ آرٹس پڑھنی ہے فائن آرٹس۔“

”کیا بکواس کر رہی ہو، بچوں کی طرح ڈرائنگ اور کلرنگ کرو گی تم۔ ارے اپنے بہن، بھائی سے ہی کوئی سبق سیکھ لو۔ ہر کلاس میں اے پلس لے رہی ہے، زونا اور تم.....؟“ ان کا لیکچر لمبا چلتا تھا۔ وہ بے بسی سے سننے پر مجبور تھی۔

☆☆☆

راحیلہ بیگم نے اس کے لاکھ منع کرنے پر بھی اسے احتشام صاحب کی سفارش اور رشوت کے بل بوتے پر شہر کے بہترین کالج میں داخلہ دلوایا۔ مگر سائنس فیکلٹی میں پری میڈیکل مضامین کے ساتھ وہ اداس نظروں سے اسٹیج تک پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچ رہی تھی۔

”بچے بے بی، ڈس اپ۔“ زونا کی آواز نے اسے مایوس کن سوچوں سے چونکا دیا۔

”اتنا اسٹریس کیوں لے رہی ہو یار..... میرے

ساتھ کوچنگ جوائن کر لو۔ جم جایا کرو ایوری تھنگ ول بی آل رائٹ یار..... کم آن، کیپ اٹ اپ۔“

اس نے مڑ کر آئینے میں خود کو گھوم، گھوم کر دیکھتی زونا کو بچے دل سے دیکھا۔

”میں کیسے بتاؤں امی کو۔ میرا دل ان کتابوں

میں نہیں لگتا۔“ اس نے زونا پر سے نظریں ہٹائیں، جس

نے بے حد مختصر آستینوں والا ٹاپ پہن رکھا تھا اور اس

کے اوپر اور بھی مختصر اسکارف کو یوں اسٹائل سے پن اپ

کر رہی تھی کہ وہ داہنے کندھے سے نیچے ڈھلکا ہوا تھا۔

کندھے سے جڑی چھوٹی سی آستین اور اسکارف کے

درمیان سے اس کا دودھیا بازو جھانک رہا تھا۔ جبکہ بائیں

بازو کو ڈھانپنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔

”ویل اٹس ناٹ مائی ہیڈک.....“ (یہ میرا درجہ

سر نہیں ہے) چست جینز میں اس کی سڈول ٹانگیں

اک ذرا سی لغزش سے

”اوہ ماما..... اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔“ راحیلہ سے بس یہی نہیں ہوتا تھا۔ وہ اسے اس کے حال پر ہی تو نہیں چھوڑ سکتی تھیں۔ آخر کو وہ بھی ان کی اپنی اولاد تھی۔

ایسے ہی دنوں میں جب وہ انٹر میں بھی فیل ہو چکی تھی اور سہلی آ جانے والا پھر دوبارہ دینے کے لیے بالکل تیار نہ تھی۔ اس کی زندگی بلکہ یوں کہیں کہ راحیلہ بیگم کی زندگی میں اچانک ہی ٹوٹ آ گیا۔

ان کی کسی جاننے والی کے توسط سے روجہ کے لیے اسفند یار کا پروپوزل آ گیا۔ گو کہ وہ لڑکیوں کو اتنی جلد بیاہنے کے حق میں نہیں تھیں مگر روجہ کو بٹھاتی بھی تو کس آس اس نے تو انہیں مکمل طور پر مایوس کر دیا تھا۔ پڑھائی میں تو وہ تھی ہی صفر..... مگر انہوں نے اپنی ایک دوست کے مشورے پر جب اسے بیویشن کا کورس کروانا چاہا تو وہ ٹریننگ سینٹر جا کر بیویشن کے بجائے کوئنگ اور بیکنگ کی کلاسز لینے لگی۔

انہیں تو کورس کھلیٹ ہونے سے پہلے پتا ہی نہیں چلتا اگر جو اچانک ان کے پاس اس بیویشن کا فون نہ آ جاتا۔ جس سے وہ رومی کے ایڈمیشن کی بات کر کے آئی تھیں۔ وہ شہر کی جانی مانی بیوٹی ایکسپریٹ تھی اور بہت مشکل سے رومی کے ایڈمیشن کے لیے مانی تھی کیونکہ ایڈمیشن کی ڈس نکل چکی تھیں۔ راحیلہ کو جب اس کی اس حرکت کا پتا چلا تو انہوں نے سر پیٹ لیا۔

”میں پوچھتی ہوں تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟“

”امی جب میں خود اپنے ہی فیس پر کچھ نہیں لگاتی، نہ میں میک اپ کرتی ہوں نہ کوئی ہینر کرٹ لیتی ہوں تو میں یہ سب کچھ سیکھ کر کیا کروں گی۔“

”آف..... میں ہی غلطی پر تھی۔ میں نے سوچا تھا تمہیں ڈرائنگ اور کلرنگ پسند ہے تو میک اپ بھی پسند ہوگا۔ اور تم جب کورس کر لو گی تو آٹو میٹک اس پروفیشن میں آنے کے بعد خود ہی ذرا ڈھنگ سیکھ لو گی کہ پروفیشن کو کیسے گروم کیا جاتا ہے فکر کو کیسے مینشن کرتے ہیں مگر تم.....“

بہت نمایاں ہو رہی تھیں۔ وہ بے پروائی سے کندھے اچکا کر اپنے سلی براؤن بال جھلائی اپنی بکس اٹھا کر باہر نکل گئی۔

”کوئی میرا مسئلہ کیوں نہیں سمجھتا۔“ اس نے.... بے دلی سے اس کیج بک اٹھا کر دور پھینکی۔

☆☆☆

روجہ پڑھائی میں کمزور ضرور تھی مگر کند ذہن نہیں تھی۔ اس کا دل جن چیزوں میں لگتا، وہ راحیلہ بیگم کے نزدیک بیکار اور فضولیات تھیں۔ ڈرائنگ، پینٹنگ، اور اسکیچنگ.....

”اوہ..... ربش.....“

وہ بچپن میں روجہ کو ڈاکٹر بنانے کا خواب دیکھا کرتی تھیں۔ مگر بڑے ہوتے، ہوتے جب روجہ کی تعلیمی کارکردگی سامنے آئی تو یہ خواب نیند والا خواب بن کر رہ گیا۔ جو آنکھ کھلنے پر یاد ہی نہیں آتا اور آنکھ کھلتے ہی غائب ہو جاتا ہے۔ انہیں لگتا رومی عزت سے گریجویشن کر لے یہی کافی ہے مگر انہیں اس سے صرف یہی شکایتیں تو نہیں تھیں۔ وہ گندی رنگت اور بہت ہی دبے پتلے جسم کی مالک تھی۔

”کوئی فکر نہیں ہے، کامپلیکشن ہے تو وہ بھی بس..... کالے سے ذرا صاف.....“ وہ مبالغہ آرائی کی حد کر دیتیں اور جو ان کا مایوس انداز اور لب ولہجہ روجہ سن لیتی تو ان کا غم غلط کرنے کے لیے آئندہ کئی دنوں تک صبح شام رنگ گورا کرنے والی کریمیں لگاتی رہتی۔

”اور پڑھائی میں تو بالکل غل ہے غل..... زیرو او بلک زیرو۔ ڈریسز دیکھے ہیں یہ لے، لے دو پٹے اور میچنگ اسکارف..... مانی گاڈ.....“ ان کی جان کو لاحق غموں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔

”کس نے کہا ہے اتنی سلیبس اردو بولنے کے لیے۔ مگر میں نہ سہی کسی پارٹی میں، کسی گیسٹ کے سامنے اپنی پرفیلمائی بنانے کے لیے تھوڑا بہت شو آف کرنا ہی پڑتا ہے۔“ کبھی وہ بری طرح جھلا کر کہتیں، ایسے میں اگر زونا پاس ہوتی تو فقط یہ کہتی۔

وہ چپ کر کے سنے گئی۔ راحیلہ خود ہی بول، بول کر چپ کر گئیں۔
 ”ٹھیک کہہ رہی تھیں سہیل آرا، مجھے تمہارے لیے اسفند کے پروپوزل پر غور کر ہی لینا چاہیے۔“ وہ بہت دیر سے ان کی بات سن رہی تھی۔ آخر میں اچھل کر رہ گئی۔

☆☆☆

”پاپا..... آپ سمجھائیں ناں امی کو..... وہ کیوں میری شادی کر رہی ہیں اتنی جلدی۔“ وہ تو آج بڑی ہمت کر کے پاپا کے سامنے آئی تھی۔
 ”آپ نے بھی تو پڑھ کر نہیں دیا۔ آپ کو پتا ہے ماما آپ سے کیا چاہتی تھیں مگر آپ نے ان کی expectations کی کوئی پروا نہیں کی۔ اب وہ آپ کی بات نہیں مان رہیں۔“
 ”وہ میرے بس میں نہیں تھا پاپا..... آپ جانتے ہیں اچھی طرح.....“

”مگر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ بہت سی چیزیں اور باتیں آپ کے بس میں تھیں جو آپ کی ماما نے آپ سے کہیں مگر آپ نے انہیں فالو نہیں کیا..... جب آپ کا ٹائم تھا آپ نے سن مانی کی۔ اب ان کا ٹائم ہے، وہ کریں گی۔ آپ احتجاج کرنے کا حق کھو چکی ہیں۔“
 پاپا بات ختم کر کے اپنی کتاب میں گم ہو گئے اور زندگی میں پہلی بار اسے احساس ہوا کہ گھر میں اس کی حیثیت صرف ایک لانا بھل مسٹر کی سی ہو گئی ہے۔

”ماما مجھ سے اس حد تک پریشان ہیں کہ اب وہ باعزت طریقے سے مجھے گھر سے نکال دینا چاہتی ہیں۔“ تکلیف دہ، پریشان کن سوچوں نے اس کے اپنے ہی گھر میں اس کا پیچھا پکڑ لیا۔ مایوسی اور دکھ کے عفریت اس کے گرد اپنے اچھے ہوئے جال بننے لگے۔
 ”زودیا اور راحیل امی اور پاپا کی آنکھوں کے تارا ہیں اور میں..... میں غلطی سے آنکھ میں پڑ جانے والا ٹکڑا.....؟ جسے جب تک آنکھ مسل، مسل کر باہر نہ نکال دیا جائے۔ انسان کو چین ہی نہیں ملتا۔“ وہ خاموش رہتی

اور ابھی، ابھی نظروں سے امی کو خوش اور مگن شادی کی تیاریاں کرتے دیکھتی رہتی۔
 ”اور امی خود بھی تو کتنی ضدی نکلیں۔“ اس کے ذہن میں کسی کے خلاف شکایت نہیں تھی۔ وہ تھی ہی اتنی شفاف دل کی مالک۔

”بجائے اس کے کہ مجھے کسی آرٹ اکیڈمی میں جوائننگ دلوادیتیں۔ اٹھا کے میری شادی کرنے کی پڑ گئی انہیں۔“
 اسے شادی کے نام سے اکٹھاٹ اور بیزاری محسوس ہونے لگی۔

☆☆☆

سنا تو تھا چند ایک لوگوں سے کہ اس کا پہلا ہی پروپوزل اتنا شاندار آیا کہ راحیلہ بیگم سے انکار نہ ہو سکا۔ اسفند کی تحریفیں اور اس کے سسرال کی مداح..... مگر اسے کسی بات سے دلچسپی ہوتی تو وہ کان دھرتی ناں۔

اسے تو اس بندے سے بھی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ کراہند کر کے پھولوں سے گھی بچ پر اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ اور کیا کہہ رہا تھا بھلا.....

”آپ..... پلیز برامت منائیے گا۔ میں بہت تھک گئی ہوں اور یہ جو آپ کام کر رہے ہیں ناں میری تحریفوں والا..... تو یہ کل کر لیجیے گا۔ ابھی..... ابھی میں سو جاؤں؟“ اس نے التجا آمیز انداز میں یوں اسفند کی طرف دیکھا کہ اسے اپنا دل سینے کی دیواروں سے ٹکراتا محسوس ہوا۔ یہ مشکل خود کو سمجھا بچھا کر اس کی بات ماننے پر راضی کیا۔ پھر بھی..... روکتے روکتے.....

”یہ آپ کی رونمائی کا تھا.....“ نازک سی انگلی اس کی حتائی انگلی میں پھنسا کر اس نے ہاتھ پشت سے چوم لیا۔

”آف..... ف..... ف.....“ رویہ تو وہیں فریز ہو گئی۔

اسفند اس کی حالت سے حفا اٹھا تا پیش قدمی کرتا چلا گیا۔

دیکھ کر پسینے آ رہے ہیں۔“
”اب تو عادت ہو گئی ہے امی، آپ نے فرسٹ ٹائم دیکھا ہے ناں اس لیے۔ اب تو میں خود بھی بہت کمفرٹبل فیل کرتی ہوں۔“ پھمکی پڑتی مسکراہٹ کے ساتھ کچھ تو اسے کہنا ہی تھا۔

زونیرہ اور راحیل کے سوسو نخرے اٹھانے والی راحیلہ بیگم، رویجہ کی ماں بن کر پتا نہیں کیوں اتنی۔۔۔۔۔ بے عروت ہو جاتی تھیں۔ وہ زندگی بھر سے محسوس کر رہی تھی۔

☆☆☆

زندگی کے سفر کو سہل اور دشوار راستوں پر چلانا قسمت سے زیادہ خود اپنے ہاتھ میں ہوتا ہے، اس نے بھی سیکھ ہی لیے دشوار راستوں کو سہل کرنے کے چند سنہری اصول۔۔۔۔۔ کبھی یوں بھی ہوتا کہ کوئی معاملہ دیانت، نظر اندازی اور سمجھوتے کی محدود پالیسیوں سے لکھتا ہوا محسوس ہوتا تو یوں لگتا زندگی۔۔۔۔۔ زندگی بھر حکمت عملیاں مرتب کرتے اور ان پر عمل درآمد کی کوشش میں نڈھال ہوتے ہی گزرے گی۔

بھرے پُرے سسرال میں بنانا تھے پر سلو نہیں ڈالے گزارہ کرنا آسان نہیں تھا۔ مگر اس نے کر دکھایا۔ ماں غیر مطمئن تھی۔ اس نے ساس کو گرویدہ بنالیا۔ بہن اس کا مذاق اڑاتی تھی اور ننداس کے نقش قدم پر چلنا چاہتی تھی۔ اور اسفند تو تھا ہی محبت اور وفا کی دوسری تصویر۔

تھوڑے بہت اسپنڈ بریکرز کو چھوڑ کر اس کی زندگی کچی مٹی کے اس آئین کی طرح ہو چلی تھی۔ جس کے آدھے حصے پر سکھ چین کے درخت کی سایہ دار حکومت تھی اور کچی مٹی پر جب محبت کی بوندیں برسیں تو ایک سنہری مقدس خوشبو سے اس کی روح تک معطر ہو جاتی لیکن امی۔۔۔۔۔ مسز راحیلہ احتشام۔۔۔۔۔ انہیں کیسے مطمئن کر پاتی وہ۔

”اتنی جلدی۔۔۔۔۔ اوہ مائی گاڈ!۔۔۔۔۔!“

”جلدی کہاں امی، یہ تو بہت نارمل سی بات ہے۔“ وہ شادی کے پانچ ماہ بعد جب امید سے ہوئی تو راحیلہ کو اعتراض تھا اور دوسری بار اسی چھ ماہ کی تھی۔

زندگی ایک نئے روپ میں اس پر وارد ہو رہی تھی۔ وہ جتنا حیران ہوتی کم تھا اور جتنا خوش ہوتی بہت تھوڑا۔۔۔۔۔ اتنی محبتیں، اتنی چاہت، اتنی اہمیت۔۔۔۔۔

”اللہ اسفند، یہ شادی بھی ناں۔۔۔۔۔“ کبھی کبھی وہ اسفند کی سنگت میں محبت اور خوشی سے سرشار ہنسا سا بھرتی۔ ”بہت مزے کی چیز ہے۔“ بالی عمر کا بانیکن اور اس پر یہ انجان معصومیت۔۔۔۔۔

”اچھا۔۔۔۔۔ اچھا۔۔۔۔۔ اچھا۔“ اسفند اس پر نشار ہو جاتا۔ اسے ہانپوں میں بھر کر گھما ڈالتا اور وہ کھلکھلائے چلی جاتی۔

ہنی مون سے واپسی پر اس کی گندی رنگت کھل کر گلابی ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے پر توس قزح کی سی دھنک تھی اور اتنی جھللاہٹ کہ نظر کا ٹھہرنا مشکل تھا۔

”یا اللہ تیرا شکر ہے۔“ بے ساختہ اسے دیکھ کر راحیلہ بیگم کے لبوں سے شکر کے کلمات نکل گئے۔ رویجہ کو یوں ہنستا مسکراتا خوش باش دیکھ کر، پچھلے کئی دن سے دل میں پلنے والے خدشات کا خاتمہ ہو گیا تھا۔

راحیل نے اسے اتنا چستے دیکھ کر اس کی ہنسی پر کھٹ دیا اور وہ جواباً پھر سے ہنستی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

”اچھا بس۔۔۔۔۔ امی میں چلوں اسنی کامیج آیا ہے، وہ مجھے لینے آ رہے ہیں۔“ ہلکے گلابی رنگ کے زرتار سوٹ میں وہ خود بھی گلاب کا پھول تھی۔

”یہ کیا روی۔۔۔۔۔ یہ تم کیا لاؤ کر آئی تھیں۔“ راحیلہ کی پیشانی پر اسے عبا یا پہنتے دیکھ کر بل نمایاں ہو گئے۔

”عبا یا ہے، انہوں نے ہی کہا تھا کہ گھر سے باہر جاتے وقت۔۔۔۔۔“ اسے امی کی ناراضی اور ناپسندیدگی کا علم تھا مگر جانے کیوں اسفند کی بات رو کرنے کو دل نہیں چاہا۔

”بس اس نے کہہ دیا اور تم نے مان لیا۔“ راحیلہ بیگم نے ناگواری کا اظہار کرنے میں لحد نہیں لگایا۔ ”آف اللہ اتنی گری میں کیسے۔۔۔۔۔ مجھے تو تمہیں دیکھ۔“

حب..... انہیں تو غش آنے لگے۔ گی۔“ وہ فیصلہ کر چکی تھی۔

☆☆☆

”اے ہٹو، تم اپنے یہ دنیاوی خیالات اپنے پاس رکھو۔“ امی کا رد عمل اس کی توقع سے سو فیصد الٹ نکلا۔ وہ ہکا بکا ان کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

”وہ اگر کچھ کر رہی ہے تو اپنی بہتری کے لیے ہی ناں۔“ ”امی.....“ اس نے بے حد حیرانی اور تاسف سے انہیں دیکھا۔

”تو آپ کے خیال میں زونا ٹھیک کر رہی ہے، آپ کو کوئی شرمندگی نہیں۔“

”شرمندگی کیسی بھی..... سوسائٹی میں ہر ملنے جلنے والا شہر یا ر کو اپنا داماد بنانا چاہتا ہے، منیر کی ڈھیروں ڈھیر جائیداد کا۔ اکلوتا وارث ہے وہ آخر..... ایسے میں اگر زونا نے گھر کی لڑکی ہونے کے ناتے تھوڑے ہاتھ پاؤں مار لیے تو کیا غلط کیا اور تم.....“ انہوں نے بے حد بیزارگی سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔ ”تم تو بس رہنے ہی دو، تم کیا جانو آج کل کی ڈیمانڈز، ریکوارمنٹس..... اور ہائی سوسائٹی میں موو کرنے کے طریقے۔ تم تو اپنا یہ تنبو سنبھال کر بیٹھو بس۔“ راحیلہ بیگم نے بے حد طنز یہ انداز میں بول کر اس کی پلوتی بند کر دادی۔

گھر سے واپسی پر وہ بے حد دل گرفتہ تھی۔ ”کیا بات ہے، اتنی چپ، چپ کیوں ہو؟“ اسفندہ ہمیشہ کی طرح اس کی پریشانی جاننے کے لیے موجود تھا۔ مگر وہ اسے کیا بتاتی، چپ چاپ ارسل کے بالوں میں اٹھکیاں پھیرتی رہی۔

”اچھا سنو..... وہ خمیر ہے ناں، وہ پاکستان آرہا ہے۔“ اسفندہ نے اس کا رد عمل دیکھنا چاہا۔ وہ گہری سانس بھر کر سیدھی ہوئی۔

”مجھے بھلا اس کے آنے نہ آنے سے کیا فرق پڑے گا سنی۔“

”فرق تو پڑ ہی جائے گا کیونکہ وہ جتنے دن یہاں رہے گا..... ادھر ہمارے گھر میں ہی ٹھہرے گا۔“

”اچھا کوئی مسئلہ نہیں ہے، جب آئے گا تو دیکھی

”کچھ تو اپنے فکر کا خیال کر لو میری جان۔“ رویہ کو لگا اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے، یقیناً امی نے صحت کہا ہوگا فکر نہیں۔ اسے سننے میں مغالطہ ہوا تھا نہ ان کو کہنے میں کوئی عار تھا۔

”اتنی جلدی، جلدی بچے پیدا کرو گی..... تو فٹ بال بن کر رہ جاؤ گی، یاد رکھو مرد کو اسمارٹ بیویاں پسند ہوتی ہیں، بھدی اور بے ڈھنگی نہیں۔“

اپنی طرف سے وہ اسے خوشگوار ازدواجی زندگی گزارنے کے بہترین اصول سکھاتی تھیں مگر رویہ جانتی تھی ان سبہرے اصولوں پر عمل نہ کرنا ہی اس کی ازدواجی زندگی کی بقا کے لیے بہتر تھا۔

شادی کے بعد تین سالوں میں وہ دو بچوں کی ماں بن چکی تھی۔ جبکہ زونیرہ کے بعد دیگرے کامیابی کی منازل طے کرتی ہوئی ڈریس ڈیزائنر کی حیثیت سے اپنا بونیک کامیابی سے چلا رہی تھی اور راحیلہ بیگم اس کے لیے آج کل کسی اچھے لڑکے کی تلاش میں تھیں مگر خود زونیرہ کا دل اپنے منیر ماموں کے بیٹے شہر یار میں جالٹے گا۔ تو رویہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

زندگی بھر خاندان والوں کو لگتا نہ کروانے والی اور ہمیشہ سے اسٹیشن کے راگ الاپنے والی راحیلہ بیگم نے اگر اپنے بھائی سے راہ و رسم بڑھائے تھے تو اس کی وجہ یقیناً زونیرہ کی پسند نہیں بلکہ ان کا تیزی سے اوپر جانا اسٹیشن ہی تھا۔

زونیرہ کے اندر کوئی کمی نہیں تھی کہ اسے یوں کسی کے سامنے خود کو نمایاں کرنے کی ضرورت پڑے پھر جانے کیوں اس نے یہ راستہ اختیار کیا۔

وہ جب سے ماموں کے گھر سے واپس آئی تھی اپنا دل و دماغ، دھیان سب کچھ جیسے زونا کے پاس ہی چھوڑ آئی تھی، ذرا ذرا سی دیر کے بعد اسے کمرے کا منظر یاد آتا اور نئے سرے سے شرمندگی کے احساس سے اس کا چہرہ چپنے لگتا۔

”میں ضرور امی سے اس بارے میں بات کروں

ماہنامہ پاکیزہ 212 دسمبر 2016ء

کر بیٹھتی۔ وہ اس میں بھی خوش تھی۔
 ”کنویں کی مینڈک.....“ راحیلہ نے اسے ٹھیک
 ہی خطاب دیا تھا۔ باپ کے گھر کے بڑے سے سیاہ گیٹ
 کے آگے رک کر ہارن بجاتے ہوئے اس نے سوچا۔
 ”آؤ روی..... میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔“
 امی اسے لاؤنج میں ہی مل گئیں۔

”زونا کہاں ہے؟“
 ”کہاں ہوگی۔“ وہ جتنی بے تابی سے اس کی
 طرف بڑھی تھیں اب اتنی ہی ست روی سے واپس جا
 بیٹھیں۔

”کل سے کمرے میں بند ہے۔“ اسے بھی سن کر
 افسوس ہوا۔

”تم سناؤ، بچے تو اسکول گئے ہوں گے۔“ بیٹی
 کے تین سال کے ہوتے ہی اس نے دونوں کو ایک
 ساتھ اسکول میں ڈلوادیا تھا۔

”جی امی..... پر زور دینا کہ کبھی چلا؟“
 ”ارے کیسے بھی بس..... چا تو چل گیا ناں۔ اور
 یہ باتیں کوئی چھپنے کی ہوتی ہیں۔“ امی خود بھی بھری بیٹھی
 تھیں۔

”اچھی دیدہ دلیری ہے..... بھی جب اسے کرنی
 ہی نہیں تھی تو زونا کو سبز باغ دکھانے کی ضرورت کیا
 تھی۔“ وہ سر جھکائے بیٹھی سوچتی رہی۔

”جوڑکی خود سے سبز باغوں کی سیر کرنا چاہے تو
 کون پاگل ہے جو اسے مایوس کر کے اتنا اچھا موقع
 گنوائے۔“ اس نے سوچا پر بولی کچھ نہیں۔
 ”زونا تو کسی بات کو اتنا سر پر سوار نہیں کرتی تھی
 پھر اب.....؟“

”کچھ ایووشنل انچجٹ تو ہو ہی جاتی ہے ناں۔“
 امی نے گہری سانس لی۔
 ”خیر چھوڑو تھوڑا ناٹم لگے گا پھر نارمل ہو جائے
 گی خود ہی..... یہ بتاؤ تم نے ناشتا کیا۔“ اس نے بتا
 کچھ کہے نئی میں سر ہلایا۔

”تو چلو پہلے ناشتا کر لو پھر اس پاگل سے مل کر مل
 مابین ماہ پاکیزہ 213 دسمبر 2016ء

جائے گی۔“
 وہ شیر جیسے دوست کے لیے اسفند کی محبت اور
 اس کے خلوص کی شدت سے واقف تھی مگر اس وقت
 بے دھیانی سے ہوں، ہاں کر کے رہ گئی۔ کیونکہ دل اور
 دماغ تو امی کے ساتھ ہونے والی گفتگو میں ہی پھنسے
 ہوئے تھے۔

”زونا اپنی بہتری کے لیے خود کوششیں کیوں
 کر رہی ہے، آپ اسے سمجھاتی کیوں نہیں، ابھی اس
 کے ماں، باپ زندہ ہیں جو سوچنا ہے آپ لوگ
 سوچیں۔“

”ہم ہی سوچ رہے ہیں، جب ہی اسے لے کر
 گئے تھے وہاں پر۔“ راحیلہ بیگم پر تو جیسے کسی بات کا اثر
 ہی نہیں تھا۔

”جوڑکیاں اپنے آپ کو پلیٹ میں سجا کر
 دوسروں کے آگے پیش کر دیتی ہیں کوئی اُن کی طرف نظر
 اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔“ یہ آخری بات تھی جو وہ
 راحیلہ بیگم سے کہنا چاہتی تھی مگر کہ نہ سکی تھی۔

اس نے تو اپنی لمبی بحث بھی صرف زونا کے لیے
 فکر مند ہونے کی وجہ سے کی تھی۔ ورنہ اسے ان کے
 آگے اپنی جلانے کی عادت نہیں تھی، نہ وہ اسے اچھی
 بات گردانتی تھی۔

☆☆☆

موسم ابر آلود تھا۔ صبح سے دو تین بار ہلکی بوندا
 باندی بھی ہو چکی تھی۔ وہ بہت احتیاط سے ڈرائیونگ
 کر رہی تھی۔ یہ ڈرائیونگ کی سہولت اسے اسفند ہی کی
 مہربانی سے حاصل ہوئی تھی۔

گوکہ اسفند عورتوں کو حد درجہ آزادی دینے کا
 حامی نہیں تھا۔ مگر اتنا قدامت پرست بھی نہیں تھا کہ
 اسے گھر بٹھا دیتا۔ اسے ہر کام اعتدال میں رہ کر کرنے
 کی عادت تھی۔ جیسے اس نے روچہ کو ڈرائیونگ سکھائی
 تھی مگر اسے اپنے میکے کے سوا اور کہیں اکیلے جانے کی
 اجازت نہیں تھی۔ کیونکہ امی کے گھر کا راستہ نہ تو بہت
 لمبا تھا نہ اتنا مصروف کہ روچہ انجانے میں کوئی نقصان

سمجھانا۔“ ناشتے کے بعد راحیلہ بیگم نے پھر موضوع چھیڑ ڈالا۔

”ارے وہ کوئی آخری لڑکا تو نہیں تھا ناں دنیا کا.....“ وہ خود ہی زور سے بولیں پھر چوکیں۔

”آخری لڑکے سے یاد آیا تمہارا کوئی دیور، دیور آیا ہوا ہے امریکا سے۔“

”جی، ہمارے یہاں ہی ٹھہرا ہے۔“ وہ بہت بیروانی سے بولی۔

جائے پی کر گھر جانے سے پہلے وہ زونا کے کمرے کی طرف آئی۔ حالانکہ جانتی تھی بیکار ہی ہوگا۔ اس کے سمجھانے کی نوبت تو دور زونا اسے دیکھنا اور بات تک کرنا پسند نہیں کرے گی۔ آف موڈ میں فیملی ممبرز میں سب سے برے سلوک کی حقدار ہمیشہ وہی ٹھہرتی تھی جانے کیوں۔ اس کا اندازہ غلط نہیں نکلا..... زونا نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولے بغیر اسے واپس کر دیا۔

☆☆☆

گھر آتے وقت اگر وہ پریشان تھی تو واپسی پر دل گرفتہ.....

سارا راستہ وہ امی کی باتوں کو سوچ کر دکھی ہوتی رہی۔ جیسی اسے یاد آیا کہ اس کے سیل میں کریڈٹ ختم ہو چکا ہے، اس نے قریبی جنرل اسٹور پر اپنی لوڈ کا بورڈ لگا دیکھ کر گاڑی روکی۔ مگر گاڑی سے اتر نہ سکی۔

اس نے قریبی سڑک پر کھڑی گاڑی میں اسفند کے دوست شیر کو شہریار کے ساتھ دیکھا۔ وہ حیرت سے وہیں رک گئی۔

وہ گاڑی شاید نہیں بلکہ یقیناً شہریار کی تھی جو اسے حال ہی میں منیر ماموں نے دلائی تھی۔

سگنل گرین ہوا تو گاڑی آگے بڑھ گئی۔ وہ بھی موبائل کریڈٹ بھول بھال کر گم صم ذہن کے ساتھ گھر کی طرف ہوئی۔

☆☆☆

”ارے روی میری جان کسی ہوتی؟“ امی کی شہد

ٹپکاتی آواز کون کر اس نے تعجب سے ریسیور کو گھورا۔ اسے یاد نہیں تھا کہ امی نے بغیر مطلب کے کبھی اس سے اس درجہ سٹاس بھرے لہجے میں بات کی ہو۔

”امی کیا بات ہے..... خیریت تو ہے؟“ وہ بجائے خوش ہونے کے پریشان ہوا تھی۔

”ارے ہاں، ہاں سب خیریت ہے، خیریت نہ ہوتی تو میں تمہیں اتنا ہنس، ہنس کر فون کرتی کیا۔“ وہ ہنس دیں۔

”ہاں یہ تو ہے۔“
”ارے پاگل، راحیل کی انجمنٹ کر دی ہے میں نے۔“

”ہیں؟“ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔

”امی! کب کیسے؟ اپنی اچانک مجھے بتائے بغیر.....“

”ارے اچانک کہاں..... دو ہفتوں سے سلسلہ

چل رہا تھا۔ اس کی اتنی مصروفیت تھی کہ تمہیں بتانے کا موقع ہی نہیں ملا۔ ابھی کل رات ہی تو وہ لوگ بات

فائل کر کے گئے ہیں تو میں نے پکا ارادہ کر لیا کہ آج تو

تمہیں بتا ہی دیتا ہے۔ تم آنا ناں..... ماشاء اللہ سے

خوب سٹھائی، پھل اور سب گھر والوں کے لیے جوڑے

اور تحائف دے کر گئے ہیں۔ بجھی ہیں بھی بہت پیسے

والے اونچے لوگ۔“ راحیلہ بیگم اپنی خوشی میں اس قدر

گن گن تھیں کہ رویہ کی خاموشی کو محسوس ہی نہیں کیا۔

”پھر تم آرہی ہو ناں..... آج ہی چکر

لگا لو..... بلکہ ایسا کرو، ابھی آ جاؤ۔“

”جی.....“ اس کے حلق سے یہ مشکل آواز نکل سکی۔

”ہاں ناں اور کیا بچے تو اسکول میں ہوں گے

ناں..... میں تو کل بھی تمہیں بلانے کا سوچ رہی تھی مگر

راحیل اور زونا نہیں مانے اور تمہارے پاپا کو تم جانتی ہو،

کسی معاملے میں نہیں بولتے۔“

”راحیل اور زونا..... کیوں نہیں مانے؟“

”ارے تمہیں پتا تو ہے، تمہارے بچے کتنے شریر

ہیں، زونا اور راحیل دونوں ہی کہنے لگے کہ وہ گید رنگ

خراب کر دیں گے۔ تم تو ویسے بھی ان پر گنواروں کی

ماہنامہ پاکیزہ 214 دسمبر 2016

تھی۔“ اس نے دھیرے سے کہا۔
”تو اب بھی کیوں آگئیں۔“ وہ ناراضی سے کہہ کر کروٹ لینے لگا۔

”اسفند خدا کے لیے مجھ سے ناراض مت ہو، میں آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گی پلیز۔“ وہ بری طرح ہلک اٹھی۔

”ارے، ارے ریلیکس..... کیا ہو گیا؟“ اسفند اس کے یوں رو پڑنے پر ایک دم گھبرا سا گیا۔ وہ روتی چلی گئی۔

”کیا ہو گیا ہے رویہ جانو..... کیوں مجھے پریشان کر رہی ہو۔“ وہ اسے خود سے لگا کر تھکنے لگا۔
”طبیعت ٹھیک ہے، کوئی بات کی ہے کسی نے..... امی نے..... آئی نے؟“ وہ نفی میں سر ہلاتی رہی۔

”پھر.....؟“

”امی نے راجیل کی منگنی کر دی۔ مجھے کسی بات میں شامل نہیں کیا۔ اور بتایا تک نہیں۔“ اسفند گہری سانس بھر کر رہ گیا۔
”ابھی کس نے بتایا۔“

”امی نے ہی کیا تھا فون صبح۔“
وہ چپ ہو گیا۔ کوئی بات ہی نہیں پچی تھی کرنے کے لیے۔

”چلو اچھا منہ دھو جا کے..... صبح بات کرنا ابھی بہت رات ہو گئی ہے سو جاؤ۔“ وہ اٹھنے لگی پھر رک گئی۔
”کل آپ کا اور شمیر کا کہیں جانے کا ارادہ تو نہیں۔“
”کیوں.....؟“

”وہ امی اس کی دعوت کرنا چاہ رہی ہیں۔“ وہ پھر سے بے چینی سے اٹھیاں مروڑ رہی تھی۔ ”وہ امی اسے زونا کے لیے بلانا چاہ رہی تھیں۔“

”ہاں تو چلے چلیں گے کیا مسئلہ ہے۔“ اسفند رضامند تھا مگر وہ خود نہیں (بے بسی سی بے بسی تھی) اس کا ایک فی صد بھی دل نہیں تھا کہ وہ اس دعوت میں شریک ہو مگر شریک ہونے یا نہ ہونے کا سوال ہی نہیں تھا۔ اسے ہی تو شمیر کو لے کر جانا تھا۔ پھر شمیر کوئی

طرح چینی چلاتی آس پاس سب بھول جاتی ہو۔“ انہوں نے بات کے آخر میں ٹھٹھا لگایا۔

”اور پلیز ڈونٹ مائنڈ..... تم وہاں درے سے پہنچتیں تو ان لوگوں کے سامنے تمہارا وہ بوجیسا گیٹ اپ کم از کم مجھ سے تو برداشت نہیں ہوتا۔ اتنا بڑا تنبو جیسا تو برقع پہنتی ہو تم اور پھر تمہارا وہ چوبیس گھنٹے لینا رہنے والا اسکارف۔“ وہ بہت بیزاری سے بولتے، بولتے چونک پڑیں۔

”اچھا سنو! وہ تمہارا دیور پاکستان میں ہی ہے ناں ابھی۔“ اس نے پے مشکل حلق میں اٹکتے آنسوؤں کو پیا۔
”جی..... جی ابھی ہے۔“ اس سے بات نہیں کی جا رہی تھی۔ پتا نہیں وہ امی کے اس خیروں والے رویے کی عادی کیوں نہیں ہو سکی تھی۔

”ہاں تو کسی دن اسے لے کر آؤ ناں ڈنر پر۔“
”ہیں؟“ وہ تو ابھی پہلے حملے سے ہی نہیں سنبھلی تھی۔
”ہاں، ہاں اور کیا..... اور اپنی زونا کی بات اس کے کان میں ڈال دو۔“ لو تم نے مجھے بتایا ہی نہیں۔ امریکا پلٹ بزنس مین، اتنی شاندار پرسنالٹی والا دیور بغل میں دبائے گھوم رہی ہو اور اپنی بہن کا خیال نہیں آیا تمہیں۔“

امی بہت لاڈ سے اس سے شکوہ کر رہی تھیں۔ کبھی کبھی اسے محسوس ہوتا جیسے وہ ان کی سگی اولاد ہی نہیں۔ اس وقت بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہونے لگا تھا اسے۔ ابھی انہوں نے اسے بتاتے گئے بھائی کی منگنی کی خبر دی تھی اور اب اچانک وہ اس سے بہن کے اتنے ذاتی معاملے میں دلچسپی نہ لینے کا شکوہ کر رہی تھیں۔

☆☆☆

”اسفند..... اسفی.....“ اس نے سوئے ہوئے اسفند کو شانے سے بلایا۔

”اب آرہی ہو..... میں کب سے انتظار کرتے، کرتے سو گیا۔“ اس نے سندی آنکھیں کھول کر غلطی سے جتایا۔

”امی کی باتوں میں بہت درد تھا۔“ ماش کر رہی

”آپ سمجھ جائیں ناں اس نے منع کر دیا ہے۔“
وہ امی کے اصرار سے تنگ آگئی تھی۔

ایک نئی مصیبت شیر اور زونیرہ کے چکر میں اس کے گلے بڑ چکی تھی۔ امی روز اس سے شیر کی رائے جاننے کی کوشش کرتیں، وہ خود شیر سے ڈائریکٹ بات نہیں کر رہی تھی۔ اور شیر، اسفند کو کوئی واضح جواب نہیں دیتا تھا۔ کتنے دن اس نے یہ کہہ کر گزار دیے کہ وہ ابھی سوچ رہا ہے۔

”ارے وہ کوئی لڑکی کا باپ ہے جو سوچتے اور چھان بین کرنے میں وقت لگائے۔ یہ کام تو ہمارا ہے بھی۔“

شروع میں راحیلہ، زونا کو لے کر زیادہ ہی... بڑا اعتماد تھیں۔ جیسی بے فکری سے بات کرتی رہیں۔ مگر جب رویحہ کی طرف سے کوئی واضح جواب نہیں آیا تو انہیں اپنے انداز کی طرف پلٹنا ہی پڑا۔

”میں سمجھ کیوں جاؤں آخر..... جو اس نے کہا ہے وہ بتاؤ ناں۔“ رویحہ چپ ہوگئی۔

”جو اس نے کہا ہے وہ آپ کو بتا دوں۔ مگر آپ کی شرمندہ صورت کیسے دیکھ پاؤں گی۔“ وہ صرف سوچ کر رہ گئی۔ بات اتنی بھی معمولی نہیں تھی۔ اس دن روڈ پر اس نے شیر اور شہر یار کو ساتھ دیکھا تھا مگر خاص نوٹس نہیں لیا تھا اور بات ذہن سے نکل گئی تھی۔

شیر، شہر یار کا بھی دوست تھا۔ اسفند کی طرح قریبی نہ سہی..... مگر دوستانہ بہر حال تھا۔ اور وہ اتنے عرصے بعد پاکستان آیا تھا کہ قریب و دور کے سبھی تعلق رکھنے والوں سے میل ملاقات کرتا پھر رہا تھا۔ اس نے خود ہی زونیرہ کا ذکر شہر یار کے سامنے کیا ہوگا۔ جواباً شہر یار نے زونیرہ کے بارے میں بہت کچھ کہا۔ مزید اپنے سیل میں موجود زونیرہ کی تصاویر اور ماضی میں اس کے ساتھ اپنے تعلق کو بھی ظاہر کر دیا۔ اب اس نے کن الفاظ میں زونیرہ کی کردار کشی کی تھی یہ تو وہ خود ہی جانتا تھا یا پھر شیر.....

اسے یہ تمام تفصیل اسفند سے بے حد اصرار کے

بچہ نہیں تھا کہ اس قسم کی دعوتوں کی نوعیت کو سمجھ نہ پاتا۔ خاندان میں سب ہی کو پتا چل چکا تھا کہ وہ یہاں شادی کی غرض سے آیا ہے۔ لہذا خاندان میں وہ تمام لوگ جوانی بیٹیوں کے لیے اچھے رشتوں کی تلاش میں تھے دعوتیں کر رہے تھے۔

بس اب فرق یہ تھا کہ یہ دعوت رویحہ کے سرال کے بجائے اس کے سینے کی طرف سے ملی تھی۔ اور غیر متوقع طور پر بالواسطہ شیر نے زونا کو دیکھنے کے لیے اسفند کے سامنے دلچسپی کا اظہار بھی کر ڈالا تھا۔ یہ الگ بات کہ اس کی دلچسپی کے بارے میں جان کر رویحہ کو ایک فیصد بھی خوشی نہیں ہوئی تھی۔ سچ تو یہ تھا کہ راحیلہ بیگم کی یوں چپ چاپتے راحیل کی مگنی والی حرکت نے اس کا دل سینے والوں کی طرف سے کھٹا کر دیا تھا۔

دعوت ٹھیک رہی۔

راحیل، زونیرہ، راحیلہ بیگم اور احتشام صدیقی سب ہی موجود تھے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا اپنا رویہ نہ صرف اپنے ماں، باپ بلکہ راحیل اور زونا سے بھی روکھا ہی رہا۔ اوپر سے زونا کا حلیہ.....

وہ خود کا ڈیزائن کیا ہوا سلیو لیس ٹاپ اور ہمیشہ کی طرح بے حد چست جینز پر ڈھیروں عجیب طرح، طرح کے موٹے، موٹے کڑے کلائی میں ڈالے ہوئے تھی۔ بالوں کو کرل کر کے اونچا باندھا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی دودھیا گردن اور سفید بازو محفل میں الگ ہی نظر آ رہے تھے۔

”کم از کم آج تو شلوار سوٹ پہن لیتیں، اسٹوپڈ۔“ رویحہ نے کوفت سے سوچا۔ اس کی انٹری کے وقت شیر کی آنکھوں میں اٹنی حیرانی اس کی نگاہوں سے مخفی نہ رہ سکی اور یہ بھی کہ بعد کا سارا وقت شیر نے نظریں جھکا کر گزارا۔

☆☆☆

”میں جب بھی پوچھتی ہوں تم بات کو آئیں بائیں شائیں کر دیتی ہو۔ آخر صاف، صاف بتائی کیوں نہیں؟“

ماہنامہ پاکیزہ 216 دسمبر 2016ء

”زونا نے فون پر شیر سے بات کی ہے؟“
 ”ہاں، آ..... آ..... مجھ سے پوچھ کر ہی کی تھی۔“
 ”اسی لیے..... اسی لیے اس نے زونا کو رنجیکٹ کر دیا۔“

”ارے کہیں پاگل تو نہیں ہو گئیں تم..... وہ کیوں..... اوہ! اب مجھی میں...“ وہ تیز ہو کر بولیں۔ پھر یوں دھیمی پڑ گئیں جیسے ان کے ذہن نے کہیں کوئی کڑی ملائی ہو۔

”تمہاری اپنی نند بھی تو رشتوں کے انتظار میں بیٹھی بوڑھی ہو رہی ہے۔ ظاہر ہے اب اسفند اپنی گھر بیٹھی بہن کو چھوڑ کر کسی دوسری لڑکی کے لیے تو راستہ صاف کرنے سے رہا..... ہم م م..... تو یہ تم دونوں میاں بیوی کی ملی بھگت ہے..... میں پوچھتی ہوں روی..... تمہیں اپنی بہن کا ذرا خیال نہیں آ رہا؟“
 راحیلہ بیگم نے جو بولنا شروع کیا تو بولتی ہی چلی گئیں۔

”خدا کے لیے خاموش ہو جائیں امی، آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں، مجھے زونا کا خیال تھا بھی میں نے اسے شہریار کے پاس جانے اور ہر ایک کے لیے تر نوالہ بننے سے روکا تھا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ میں یہ سب آپ کو بتاؤں۔ کیونکہ میں آپ کی دل آزاری نہیں کرنا چاہتی تھی مگر جو بدگمانی آپ میری طرف سے اپنے دل میں پالے بیٹھی ہیں اسے ختم کرنے کے لیے میرا بولنا ضروری ہے۔“ اس نے گہری سانس بھر کر تاسف سے سر ہلایا۔

راحیلہ بیگم نے پہلی بار اسے اس قدر غصے میں دیکھا تھا۔

”یہ سچ ہے کہ شیر نے زونا کو رنجیکٹ کرنے کے لیے مجھ سے جو بہانہ بنایا ہے وہ جھوٹ ہے۔“ راحیلہ بیگم نے طنز یہ انداز میں سر جھٹکا۔

”میں تو پہلے ہی جانتی تھی کہ یہ جھوٹ ہے اور جھوٹ بھی تمہارا اپنا بنایا ہوا ہے بھونڈا اور لٹکڑا بہانہ.....“

”یہ بہانا..... بھونڈا اور لٹکڑا، کسی مگر سچائی اتنی ہی قد آور اور بھیاں تک ہے امی۔“ زونہ نے بھی ان کی آواز سن

بعد پتا تو چل گئی تھی مگر اس کے بعد اس نے خود کو ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں اترتا محسوس کیا۔

اس کے دل پر کیا گزری اس کی اپنی عزت کس بری طرح مٹی ہوئی یہ تو بس وہ خود ہی جانتی تھی۔

اسفند کو بھی شہریار کی یہ حرکت پسند نہیں آئی تھی اور نہ اسے اس گھٹیا پن کی امید تھی مگر اسے موقع تو....

بہر حال زونا نے ہی دیا تھا ناں..... اس نے رویہ سے انکار کھلوانے کے لیے یہی بہانہ بنایا تھا کہ زونا چونکہ

رویہ کی بہن ہونے کے باوجود اس جیسی نہیں اس لیے وہ زونہ کے بارے میں سنجیدہ نہیں۔ اور

رویہ..... اس کے اندر اسفند کا سامنا کرنے کی بھی ہمت نہیں بچی تھی۔ شیر تو پھر ابھی نہیں تھا۔

”اوہ میرے خدا.....!“ اس نے اذیت سے اپنا سر قدام لیا تھا۔

اب راحیلہ بیگم اس کے سر ہو گئی تھیں۔

”امی وہ کہہ رہا تھا کہ اسے میرے جیسی لڑکیاں پسند ہیں ایسٹرن لک اور ایسٹرن لائف اسٹائل

والی اور زونا جیسی لڑکیاں تو امریکا میں بھی بہت ہیں، اسے یہاں آنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اگر زونا جیسی

لڑکی سے شادی کرنی ہوتی۔“

یہی بات تھی اور یہی اسے کہتا تھی۔ اور وہ جانتی تھی کہ میرے جیسی اور زونا جیسی کی تکرار اسے مہنگی پڑے گی۔

”کیا..... کیا بات کر رہی ہو تم..... ایسا کیسے ہو سکتا ہے اتنا ویل میئرڈ، ایجوکیٹڈ، ماڈرن شخص تم جیسی

اولڈ اسٹائل لڑکی کو پسند کرے۔ مجھے یقین نہیں آ رہا۔“

”اس میں یقین نہ کرنے والی کیا بات ہے امی۔“ وہ نرمی سے ان کا انداز دیکھ رہی تھی۔

”تو اس میں یقین کرنے والی بھی کون سی بات ہے، ابھی کل ہی تو زونا نے خود بات کی ہے شیر سے فون پر۔ اس کے انداز سے تو کہیں سے۔“

”کیا..... کیا کہا آپ نے؟“ اس نے تیزی سے بات کاٹی۔

کر کمرے سے نکل آئی تھی وہ امی اور رویحہ کی باتیں اپنے کمرے میں بیٹھی سن رہی تھی۔

”کیا مطلب ہے تمہارا..... میں بھی تو سنوں وہ سچائی۔“ اس نے ناگواری سے سینے پر بازو لیٹے۔

”مطلب یہ کہ شہریار سے تم پہلے ہی تنہائی میں ملتی رہی ہو۔“ اس نے ہم پھوڑا۔

”واٹ.....؟“ راحیلہ اچھل پڑی پھر سوالیہ انداز میں زونیرہ کو دیکھا۔

”سب جھوٹ بکواس ہے۔“ وہ ذرا کی ذرا... زور دگئی۔

”یہ جھوٹ، بکواس نہیں ہے، شہریار نے خود شیر کو اپنا خلوص جتانے کے لیے تمہاری بکس (تصویریں) دکھائی ہیں، اس نے ہر بات بتائی ہے شیر کو۔ تمہارا ملنا، محبت بھرے میچز کرنا اور شیر کو خاص طور پر اس سے دور رہنے کے لیے کہا ہے امی۔“ آخر میں وہ امی کی طرف مڑی تو اس کا گلہ رندہ چکا تھا۔

”کیا..... کیا بکواس کر رہی ہو رویحہ..... کہیں تم جھوٹ تو نہیں بول رہی۔“ اس کا بے یقین لہجہ سن کر رویحہ کا دل دکھ سے بھر گیا۔

”افسوس ہو رہا ہے مجھے تمہاری ذہنیت پر زونا..... میں بہن ہوں تمہاری، کیا میں تمہیں کسی کی نظروں میں، چاہے وہ امی ہی کیوں نہ ہوں، اتنا ڈی گریڈ کر سکتی ہوں کہ تمہارے کردار پر کچھ اچھالوں مگر افسوس صد افسوس تم نے اپنے کردار کی خود ہی حفاظت نہیں کی..... اور شہریار کی طرح شیر کے آگے بھی بچنے کے لیے تیار ہو گئیں اور اسے فون کر کے تابوت میں آخری کیل بھی ٹھونک دی۔“

”اے..... اے یہ سب شہریار نے کہا؟“ راحیلہ اب تک بے یقین سی تھیں۔

”جی امی، یقین کر لیں شہریار نے..... آپ کے اپنے بھائی کے بیٹے نے آپ کے گھر کی عزت اچھالتے وقت ذرا نہیں سوچا۔ معلوم ہے کیوں..... کیونکہ اے... اس نے انگلی سے زونا کی طرف اشارہ کیا۔

”یاد رکھنا زونا..... عورت صرف ایک کنواری لڑکی نہیں ایک ماں، بہن اور بیٹی کا روپ ہوتی ہے اور اس کا کردار کالج کے مانند نازک اور شفاف ہوتا ہے۔ اس میں کسی لغزش کے بال تو کیا شک کی معمولی سی گرد بھی پڑ جائے تو پھر دوبارہ کبھی صاف نہیں ہوتی۔“

ذرا ٹونگ کرتے ہوئے اس کے آنسو بہہ رہے تھے ہاتھ کانپ رہے تھے مگر دل بہت مطمئن تھا۔

”آپ کی اپنی بیٹی کو عزت کی کبھی پروا نہیں رہی اگر اے اپنی اور آپ کی عزت کا ذرا بھی خیال ہوتا ناں تو یہ کبھی شیر کو خود سے فون نہ کرتی..... بلکہ یہ تو شہریار جیسے جھوٹے اور فلفلی شخص پر تھوکنہ بھی پسند نہیں کرتی۔“ بات کے آخر میں غصے کی شدت میں چلانے کی وجہ سے اس کی آواز پھٹ سی گئی۔

راحیلہ بیگم بے دم ہو گئیں اور زونیرہ واپس کمرے میں بند..... اس نے تیزی سے عبایا پہنا اور اسکارف لپیٹ کر سیٹھی پن لگائی۔

”بہن آپ کی تربیت تھی ناں..... جس پر آپ کو بہت مان تھا، یہی لائف اسٹائل تھا جس پر آپ بہت فخر کرتی تھیں آج یہی تربیت پورے خاندان والوں کے لیے نمائندہ بن گئی ہے۔ کس کس کا منہ بند کریں گی آپ، سوچیں بیٹھ کر..... میں چلتی ہوں۔“ اس نے گہری سانس بھر کر اپنے آنسو رگڑے۔

”یہ عبایا، یہ اسکارف، یہ پردہ جس پر آپ کو جی بھر کر اعتراض تھا یہی اسکارف یہی پردہ آج پورے خاندان میں میرے صاف سترے کردار کی نشانی اور میری عزت کا ضامن ہے۔“ اس کی آنکھیں پھر بھر رہی تھیں۔

”راحیل کی شادی میں مجھے بلانے سے پہلے سوچ لیجیے گا اچھی طرح..... کہیں آپ کی وقیانوسی بیٹی کی وجہ سے آپ کے سدھیانے میں آپ کی عزت.....“ اس سے بات مکمل نہیں کی گئی وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔ اس کے کانوں میں اس کی اپنی آواز گونج رہی تھی۔

”یاد رکھنا زونا..... عورت صرف ایک کنواری لڑکی نہیں ایک ماں، بہن اور بیٹی کا روپ ہوتی ہے اور اس کا کردار کالج کے مانند نازک اور شفاف ہوتا ہے۔ اس میں کسی لغزش کے بال تو کیا شک کی معمولی سی گرد بھی پڑ جائے تو پھر دوبارہ کبھی صاف نہیں ہوتی۔“

